خطبہ جمعہ

رحیم اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا تقاضا ہے کہ وہ محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان پر ثمرات اور نتائج مرتب کرتا ہے

یہ صفت انسان کی امیدوں کو وسیع کرتی اور نیکیوں کے کرنے کی طرف جوش سے لے جاتی ہے

رحیمیت دعا کو چاہتی ہے اور یہ انسان کے لئے ایک خلعت خاصّہ ہے

(مختلف قرآنی آیات کے حوالہ سے رحیمیت کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت)

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۴؍مئی ۲۰۰۱ء ۴؍ہجرت ۱۳۸۰ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله–

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم– بسم الله الرحمٰن الرحيم –

الحمدلله رب العٰلمين – الرحمٰن الرحيم – مٰلك يوم الدين – إياك نعبد و إياك نستعين –

اهدنا الصراط المستقيم – صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين–

﴿قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰه وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ . وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾

(سورۃ آل عمران آیت ۳۲)

تو کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں ایک عجیب انداز اختیار کیا گیا ہے کہ اگر تمہیں واقعی اللہ سے محبت ہے تو یہ نہیں فرمایا کہ پھر اللہ تم سے محبت کرے گا بلکہ فرمایا ﴿فَاتَّبِعُوْنِی﴾ کہ اے رسول تو یہ اعلان کردے کہ محبت کرنے والے اگر دعوے میں سچے ہیں تو پھر میرے پیچھے چل کر دکھائیں۔ تو خدا سے سچی محبت جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمائی ایسی دنیا میں کبھی کسی نبی نے بھی ایسی سچی محبت نہیں کی۔ تو اس کا کیسا عمدہ جواب ہے تم اگر محبت کرتے ہو، خدا سے محبت کے دعویدار ہو ﴿فَاتَّبِعُوْنِی﴾ تو میرے پیچھے چلو۔ اگر تم میری پیروی کرو گے تو اللہ تم سے محبت کرے گا، ورنہ نہیں۔

اور اس کے علاوہ ایک اور کام بھی ہے جو اس سے تمہارا حل ہو جائے گا۔ تم بہت گنہگار ہو اور اللہ جب تم سے محبت کرے گا رسول اللہ ﷺ کی پیروی کے نتیجہ میں تو وہ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم درحقیقت بے گناہ تھے۔ کسی معاملہ میں بھی آپ نے کبھی گناہ نہیں کیا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جو گناہ نہیں کرتا اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بخشتا ہے، جیسا کہ احادیث میں آتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی پیروی کے نتیجہ میں اللہ کا فضل نازل ہوگا اور تمہارے پچھلے گناہ بخش دئے جائیں گے۔

﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾، بخشنے کے لحاظ سے غفور اور بار بار رحم کرنے کے لحاظ سے رحیم فرمایا ہے۔ اب یہاں بار بار رحم کی صفت استعمال کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بندے تو بے حد گناہوں میں ملوث ہوتے ہیں اور ان کو بار بار خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں غفور ہونے کے لحاظ سے وہ ان کے سارے گناہ بخش دے گا اور اس کے حضور بار بار متوجہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی رحیمیت کا سلوک فرمائے گا یعنی بار بار ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔

اب چند آیات ہیں جو ذرا لمبی ہیں لیکن ان میں بعض دیگر مسائل بھی حل فرمائے گئے ہیں۔ اس لئے میں پوری آیت آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ان میں سے ہر آیت رحیم پر ختم نہیں ہوتی مگر آخری آیت ﴿غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ پر ہی ختم ہو رہی ہے۔

﴿کَیْفَ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْماً کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَجَآءَ هُمُ الْبَیِّنٰت﴾ کیسے اللہ تعالیٰ ہدایت بخش سکتا ہے ایسی قوم کو جو ایمان لانے کے باوجود پھر کافر ہوگئے۔

﴿وَشَهِدُوْا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ﴾ اور انہوں نے حقیقت میں گواہی دی تھی کہ اللہ کا رسول سچا ہے ﴿وَجَآءَ هُمُ الْبَیِّنٰت﴾ اور ان کے پاس کھلے کھلے نشانات آگئے تھے ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اب اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کبھی بھی ہدایت نہیں پائیں گے۔ اور ان کی جزا کیا ہے ﴿اُوْلٰٓئِكَ جَزَآءُ هُمْ اَنَّ عَلَیْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾۔ ان کی جزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی لعنت ہے اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت ہے۔ ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا﴾ وہ اس لعنت کی حالت میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ﴾ اور ان سے عذاب کو ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ کوئی مہلت دئے جائیں گے۔

اور اتنے قطعی فیصلوں کے بعد پھر بھی اللہ کی رحیمیت کار فرما ہے اور اس کی غفوریت بھی کار فرما ہے۔ فرمایا ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ﴾ اتنے گناہ کرنے کے باوجود جو لوگ خدا کے حضور جھک جائیں گے توبہ کرتے ہوئے ﴿وَاَصْلَحُوْا﴾ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ساتھ اپنی اصلاح بھی کرلیں، صرف زبانی توبہ نہیں، سچی توبہ کا مطلب ہے اس کے بعد اس کی اصلاح بھی ہو۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْم﴾ تو ان سارے گناہوں کے باوجود اللہ کو بہت ہی بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پائیں گے۔ (سورۃ آل عمران :۸۷۔۹۰)

ایک اور آیت ہے ﴿لَیْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْیُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ کہ تیرے لئے دو ہی تو راستے ہیں، ان کے سوا تیسرا راستہ کوئی نہیں جو اختیار کر سکے۔ یا تو ان کی توبہ قبول کرلے۔ یعنی قطع نظر اس کے کہ وہ سچی توبہ کر رہے ہیں یا جھوٹی توبہ کر رہے ہیں اصل توبہ کا حال تو اللہ ہی کو علم ہے لیکن جو زبان سے توبہ کرتے ہوئے رسول اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں تو ان کی توبہ قبول کرلے ﴿اَوْیُعَذِّبَهُمْ﴾ یا دوسری صورت یہ ہے کہ توبہ قبول نہ کرے اور ان کو ان کے گناہوں کی سزا دے ﴿فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ﴾ پس ہر صورت میں وہ ظالم ہی ہیں۔ یعنی تُو ان کی توبہ قبول کرے یا نہ کرے اس میں تو کوئی شک نہیں کہ وہ لوگ ظالم ہیں۔ ﴿وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ اور اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ جس کو وہ چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

(سورۃ آل عمران۔ آیات ۱۲۹۔۱۳۰)

پس ظالم لوگوں کے لئے بھی آخری مایوسی کا کوئی مقام نہیں۔ ان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کا حال جانتا ہے اور جس نے سچے دل سے توبہ کی ہو اس کی توبہ قبول بھی کرتا ہے اور بے حد بخشنے والا ہے۔ یعنی کتنے بھی گناہ ہوں ان سب کو بخشنے کی طاقت رکھتا ہے اور عذاب بھی جس کو چاہتا ہے دیتا ہے مگر جس کو چاہتا ہے مراد یہ نہیں ہے کہ اس میں کوئی جبر ہے کیونکہ ﴿مَنْ یَّشَآءُ﴾ کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بارہا یہ وضاحت فرمائی ہے کہ جس کو چاہتا ہے سے مراد یہ ہے جس کے متعلق اس کا دل راضی ہو یعنی اللہ راضی ہو اور جانتا ہو کہ وہ بخشش کے قابل ہے یا اس کی توبہ قبول ہونے کے لائق ہے۔ تو ﴿یَشَآءُ﴾ میں ہمیشہ یہ معنی لینا چاہئے ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

اب مسائل والی بعض آیتیں ہیں ان میں مختلف مسائل بھی بیان ہوئے ہیں اور پھر رحیمیت کا بھی تذکرہ ہے۔﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوَاتُكُمْ ﴾ تم پر حرام کردی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں ﴿وَاَخَوَاتُكُمْ ﴾اور تمہاری بہنیں ﴿وَعَمّٰتُكُمْ﴾اور تمہاری پھوپھیاں﴿وَخٰلٰتُكُمْ﴾ اور تمہاری خالائیں﴿وَبَنٰتُ الْاَخِ﴾اور بھائی کی بیٹیاں ﴿وَبَنٰتُ الْاُخْتِ﴾اور بہن کی بیٹیاں ﴿وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ﴾ اور تمہاری دودھ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے ﴿وَاَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾اور دودھ بہنیں یعنی دودھ ماؤں کی بیٹیاں ﴿وَاُمَّهٰتُ نِسَآءِكُمْ﴾اور تمہاری بیویوں کی مائیں ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ ﴾ اور تمہاری وہ بیٹیاں جو تمہاری ربیبہ ہیں۔ ربیبہ کہتے ہیں جس کو چھوڑ دیا گیا ہو یعنی "پچھلگ" جس کو اردو میں کہتے ہیں تو تمہاری "پچھلگ"، بیویوں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے گھر میں پرورش پائی ہو ﴿مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ان کی بیٹیاں جن سے تمہارے ازدواجی تعلقات قائم ہو چکے ہیں۔﴿فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ اور اگر تمہارے ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ ہوئے ہوں تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔﴿وَحَلَآئِلُ اَبْنَآءِكُمْ﴾ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں جو طلاق شدہ ہوں یا الگ ہو چکی ہوں۔﴿الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ﴾ ان بیٹوں کی بیویاں متعلقہ یا بیوائیں جو تمہاری اپنی ذریت میں سے ہوں۔﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ اور یہ بھی تم پر حرام ہے کہ دو بہنیں تم ایک عقد میں لے آؤ۔ ہاں جو کچھ پہلے گزر چکا سو گزر چکا۔﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

(سورۃ النساء آیات ۲۳-۲۴)

تو یہ ساری باتیں حرام تھیں۔ عربوں میں سے بہتوں نے ان گناہوں کا ارتکاب کیا تھا اور باوجود اس کے کہ یہ سنگین گناہ ہیں پھر بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

ایک اور مسائل والی آیت ہے ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ. فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ. مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ. ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ. وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾۔

(سورۃ النساء:۲۶) یہاں آخر پر بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ذکر فرمایا ہے۔

اس کا سادہ ترجمہ یہ ہے:"اور تم میں سے جو کوئی مالی وسعت نہ رکھتے ہوں کہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کر سکیں تو وہ تمہاری مومن لونڈیوں میں سے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے (کسی سے نکاح کر لیں)۔ اور اللہ تمہارے ایمانوں کو خوب جانتا ہے۔ تم میں سے بعض، بعض سے نسبت رکھتے ہیں۔ پس ان سے نکاح کرو اُن کے مالکوں کی اجازت سے"۔ یعنی لونڈیوں سے بھی اگر نکاح کرنا ہے تو ان کے مالکوں کی اجازت سے۔"اور ان کو ان کے حق مہر دستور کے مطابق ادا کرو۔ ایسے حال میں کہ وہ اپنی عزت کو بچانے والیاں ہوں نہ کہ بے حیائی کرنے والیاں۔ اور نہ ہی خفیہ دوست بنانے والیاں ہوں۔ پس جب وہ نکاح کر چکیں پھر اگر وہ بے حیائی کی مرتکب ہوں تو ان کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کی نسبت آدھی ہوگی"۔

اب محصنات شادی شدہ عورتیں ہیں جو آزاد ہوں۔ ان کو اگر جیسا کہ بعض فقہاء نے کہا ہے کہ رجم کرنے کا حکم ہے کہ اُن کو سنگسار کر دو تو آدھا سنگسار کرنا تو سزا نہیں ہوا کرتی۔ اس آیت نے یہ مسئلہ کلیۃً حل کر دیا کہ اسلام میں اس گناہ کی بھی رجم سزا نہیں ہے بلکہ کوڑے سزا ہے اور کوڑوں کی سزا ایسی ہے جو آدھی ہو سکتی ہے۔ بجائے سو کے پچاس کوڑے بھی سزا کے دیئے جا سکتے ہیں۔"پس جب وہ نکاح کر چکیں اور اگر وہ بےحیائی کی مرتکب ہوں تو ان کی سزا آزاد عورت کی نسبت آدھی ہوگی۔ یہ (رعایت) اس کے لئے ہے جو تم میں سے گناہ سے ڈرتا ہو۔ اور تمہارا صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے"۔

ایک اور آیت ہے سورۃ النساء کی آیت ۳۰﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ. وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾ اس آیت کا اختتام بھی رحیم پر ہوا ہے اور غفور کا یہاں ذکر نہیں ملتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک اور مضمون کی آیت ہے جس میں عام گناہ بالعمد کرنے اور پھر توبہ کرنے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا مضمون ہے جو اقتصادی ہے۔ فرمایا اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے درمیان اپنے اموال باطل کے ذریعہ نہ کھاؤ﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ سوائے اس کے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی رضامندی کے ساتھ تجارت کرو۔ جو تجارت کا مال ہے وہ منافع بخش بھی ہو سکتا ہے اور غیر منافع بخش بھی ہو سکتا ہے۔ دونوں امکانات اس میں کھلے ہیں لیکن اس کے ساتھ پھر عقل کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور صلاحیت کی آزمائش بھی ہوتی ہے اور دیانتداری کی آزمائش بھی ہوتی ہے۔ پس جو لوگ تجارت کرتے ہیں اگر وہ اس میں منافع کماتے ہیں تو وہ ان کا جائز حق ہے۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾. اب یہاں اَنْفُسْ کے قتل کا ایک اور معنی ہے جو دوسرے قتلِ اَنْفُس سے مختلف ہے۔ یہاں فرمایا کہ جب تم تجارت میں بددیانتی کرتے ہو تو سارے معاشرہ کو قتل کر دیتے ہو۔ تجارت میں بددیانتی کرنے والے اپنے معاشرہ کو اقتصادی طور پر قتل کر دیتے ہیں۔ پس اپنے لوگوں کو، اپنی قوم کو بددیانتیاں کر کے قتل نہ کیا کرو۔﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر بار بار رحم فرماتا ہے۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ خود اپنی ہی قوم پر بار بار رحم کر سکو۔

پھر ایک اور آیت کریمہ میں ہے﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾۔ ہم نے کوئی رسول بھی نہیں بھیجا مگر ایسا کہ جس کی اطاعت اللہ کے اذن سے کی جاتی ہے۔ رسول براہ راست مطاع نہیں ہوتا۔ جب اس میں نفخ روح ہو یعنی اللہ کی روح پھونکی جائے، اللہ کی طرف سے الہام ہو، اسے مامور کیا جائے اس کے بعد لازماً ہر کس و ناکس کے لئے اس کی اطاعت فرض ہو جاتی ہے۔﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ ﴾۔ پس اللہ کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی اطاعت بھی اللہ کی رضامندی کی بنا پر اس لئے کہ ان کو رسول بنایا ہے اور تمام بنی نوع انسان کا رسول بنایا ہے تم پر فرض ہے۔ اور اس کی اطاعت کا زائد فائدہ کیا ہوگا یہ ایک بہت ہی عظیم مضمون ہے۔

اور فرمایا﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو اور تیرے پاس آئیں﴿ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ ﴾ اگر وہ اللہ سے استغفار کریں، معافی مانگیں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے معافی مانگے تو دراصل یہ شفاعت کا مضمون ہے کہ اگر وہ اللہ سے معافی مانگیں اور پھر اللہ کا رسول بھی ان کے لئے معافی مانگے۔﴿لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ تو اللہ تعالیٰ کو بار بار توبہ کو قبول کرتے ہوئے جھکنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا پائیں گے۔(سورۃ النساء آیت ۶۵)

دو اور آیتیں ہیں جو سورۃ النساء سے لی گئی ہیں آیات ۹۶ اور ۹۷۔ فرمایا﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ . فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً. وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى . وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾۔

یہاں ایک ایسا مضمون بیان ہوا ہے جس کو خلط ملط نہیں کرنا چاہئے۔ جہاد سے پیچھے رہ جانے والے جو بیٹھ رہتے ہیں اور مُخَلَّفِيْن میں شمار ہو جاتے ہیں ان کا تو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی سخت تنبیہ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور ان کی بخشش بھی اگر رسول ان کے لئے معافی مانگے اور وہ سچے دل سے توبہ کریں تو پھر وہ بخشش ہو جاتی ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ﴾ میں جو بات بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو پیچھے بیٹھتے ہیں اور کسی مجبوری کی بنا پر نہیں بیٹھتے وہ تو سزاوار ہیں لیکن کچھ پیچھے رہنے والے ایسے ہیں جو بیمار ہیں، جو بستروں پر پڑے ہوئے ہیں اور کئی قسم کی مجبوریاں ان کو لاحق ہیں تو وہ بھی مجاہدین کے برابر تو نہیں ہو سکتے ان پر بھی اللہ نے فضل فرمایا ہے۔ لیکن مجاہدین کی بات ہی اور ہے۔ تو وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم تو مجبور تھے ہم سے جایا نہیں گیا لیکن ان کی مجبوری بھی ان کی اپنی شامت اعمال ہے۔ بیماریاں بھی تو انسان کی شامت اعمال ہوتی ہیں، ماحول کی روکیں بھی تو انسان کی شامت اعمال ہوتی ہیں۔ پس ان کو یہ کہہ کر مجاہدین کے برابر نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا پیچھے رہنا ان کی مجبوری کی وجہ سے تھا۔﴿وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى﴾ اللہ نے دونوں سے ہی حسن سلوک کا وعدہ فرمایا ہے حُسْنٰی کا، بہترین چیز کا وعدہ فرمایا ہے۔﴿وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدین سے ان مجبوراً بیٹھ رہنے والوں پر ایک عظیم اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔ اجر عظیم ان کو عطا فرمائے گا۔ بیٹھنے والوں کو بھی اجر ملے گا لیکن جو میدان جہاد میں جانے والے ہیں ان کو بہت

بڑا اجر ملے گا۔

﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً﴾ یعنی ﴿اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ کی تشریح یہ ہے ﴿دَرَجٰتٍ مِّنْهُ﴾ اللہ کی طرف سے بہت سے بلند درجات ﴿وَمَغْفِرَةً﴾ اور بخشش ﴿وَرَحْمَةً﴾ اوراس کے علاوہ خدا کی خاص رحمت بھی ان کو عطا ہو گی۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور وہ اللہ کو ایسا پائیں گے کہ وہ بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ النساء آیت ۹۶۔۹۷)

ایک آیت سورۃ النساء ہی سے لی گئی ہے جو آیت نمبر ۱۰۱ ہے۔ اب جو اس مضمون کو میں آگے بڑھا رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ مجھے پھر واپس رحمانیت کی طرف بھی جانا پڑے گا۔ ممکن ہے، اگر وقت نے اجازت دی کیونکہ رحیم کا جو استعمال اور غفور کا جو استعمال قرآن کریم میں ہو رہا ہے وہ کئی نئے مضمون ہم پر کھولتا جاتا ہے تو اسی طرح رحمانیت کا جہاں جہاں ذکر ملتا ہے کچھ اس میں سے میں پہلے ذکر کر چکا ہوں مگر ایک بڑا حصہ رہ گیا ہے اگر میں نے مناسب سمجھا تو پھر رحمانیت بھی قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں آپ کے سامنے واضح کر کے پیش کروں گا۔

فرمایا ﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾ جو بھی اللہ کے لئے ہجرت اختیار کرتا ہے۔ اور ہمارے ہجرت کرنے والے بھائی سب یاد رکھیں ﴿يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾، وہ ہجرت میں اپنے لئے بڑی فراخی پائیں گے اور گھروں کی فراخی بھی ہو گی اور رزق کی فراخی بھی ہو گی۔ ﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ اور سب سے بڑا وعدہ یہ ہے کہ ہجرت کی حالت میں اگر وہ فوت ہو جائیں گے اگر ہجرت اللہ ہی کی خاطر تھی تو پھر وفات کے وقت ان کو بہت بڑا اجر عطا کیا جائے گا۔ اور اللہ پر یہ اجر فرض ہو چکا، ﴿وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾۔ اللہ پر یہ فرض ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کے لئے، ایسے مہاجرین کے لئے جو لِلّٰہ مہاجر بنے ہیں ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ﴿وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اور باوجود اس کے کہ ان سے بہت سی غلطیاں بھی ہوئی ہو نگی پھر بھی وہ اللہ کو بہت بخشش کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پائیں گے۔

اب سورۃ النساء کی آیات نمبر ۱۰۶ اور نمبر ۱۰۷ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ﴿اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ. وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا. وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾۔ اس آیت میں بھی ایک گھنڈی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے، ایک الجھن پیدا ہوتی ہے۔ وہ اس لئے کہ فرمایا ہے ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ مگر پہلے میں ترجمہ پڑھ لوں۔ ہم نے یقیناً تجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے حق کے ساتھ ﴿لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ تاکہ تُو لوگوں کے درمیان اسی نور سے فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دکھایا ہے۔ ﴿اَرٰىكَ﴾ جسے خدا نے تجھے دکھایا ہے جو اس کتاب میں نور ہے اس کے ذریعہ ان لوگوں کے درمیان فیصلے کرے ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ اور خیانت کرنے والوں کے حق میں جھگڑالو نہ بن۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے بعید ہے کہ آپ خیانت کرنے والوں کو جانتے ہوئے کہ وہ خیانت کرنے والے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے کوئی حجت کریں، کوئی جھگڑا نعوذ باللہ من ذلک کریں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی ذات سے بعید ہے مگر رحمت کے تقاضے کے تابع جن کے متعلق خیال ہو اور خطرہ ہو کہ وہ گنہگار ہیں اور خدا کے عذاب کے نیچے آجائیں گے ان کے لئے بخشش طلب کرنا حضرت ابراہیم کی بھی سنت ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے بھی بعید نہیں ہے۔ تو یہاں ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ جان بوجھ کر آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے جھگڑتے تھے یعنی ان کی بخشش کو بڑے پیار کے ساتھ طلب فرماتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ خائنین بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا رسول اللہ ﷺ کو علم بھی نہیں۔ لیکن ان کی خیانت کا اللہ کو علم ہے اور جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ خطرہ محسوس فرماتے تھے کہ وہ عذاب میں مبتلا ہوں ان کے لئے کثرت سے بار بار استغفار فرمایا کرتے تھے۔ پھر اسی لئے فرمایا ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ کہ ان کے لئے اللہ سے بخشش طلب کر۔ ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ کے دو مفہوم ہیں۔ ایک تو یہ کہ تو اپنے لئے بخشش طلب کر کہ اگر لاعلمی میں ان خیانت کرنے والوں کی خاطر تو نے دعائیں کی ہیں تو اللہ وہ معاف فرمادے۔ اور دوسرا ہے ﴿وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ﴾ کہ ان خائنین کے لئے اللہ سے ان کی خاطر بخشش طلب کر ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ اللہ تعالیٰ تو بہت بار بار مغفرت فرمانے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

ایک اور آیت ہے سورۃ النساء آیت ۱۱۱ ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ کہ جو کوئی بھی برائی کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے۔ برائی تو عام برائی مراد ہے اور نفس پر ظلم کرنا بہت سخت برائی مراد ہے۔ اس میں غلطی سے شرک بھی داخل ہو جاتا ہے غلطی سے پہلے کسی نے شرک کیا ہو جیسے صحابہ پہلے مشرک ہی تھے اور اپنی وفات سے پہلے چونکہ وہ توحید پرست ہو گئے اس لئے ان سے اللہ تعالیٰ نے بخشش کا معاملہ فرمایا ۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے ۔ ﴿يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ وہ مایوس نہ ہو خواہ کیسے بھی گناہ ہوں، کیسی بھی غلطیاں ہوں اگر سچے دل سے وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو بار بار بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا پائے گا۔

پھر سورۃ النساء کی ایک اور آیت ہے نمبر ۱۳۰۔ ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ. وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا. فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ عدل کا دو شادیوں کے متعلق بہت تاکیدی حکم ہے اور ایسا حکم ہے کہ دو شادیوں کی اجازت سے پہلے بھی انصاف کرنے کی تاکید فرمائی گئی اور اس اجازت کے معاً بعد بھی عدل کی تلقین فرمائی گئی کہ خبردار یاد رکھو اگر تم انصاف نہیں کر سکتے تو پھر دو شادیاں نہ کرو، پھر ایک ہی بہتر ہے۔ تو اس تکرار کے باوجود فرمایا اس کے باوجود تم محبت کے معاملہ میں ان سے عدل نہیں کر سکو گے کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے ﴿لَوْ حَرَصْتُمْ﴾ یہاں تک کہ تمہیں خواہ کتنی ہی شدید خواہش ہو، حرص ہو اس بات کی کہ عدل کرو پھر بھی عدل نہیں کر سکو گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم بھی اپنے طبعی محبت کے جذبہ سے مجبور تھے اور یہ کہنا کہ ہر بیوی سے برابر محبت کرتے تھے یہ آپ کے بس میں ہی نہیں تھا ﴿وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ اگرچہ آپ کو شدید خواہش تھی کہ میں سب سے ایک طرح ہی محبت کر سکوں۔

پھر اتنا تو کرو ﴿فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ کسی ایک کی طرف اتنا میلان نہ کرو کہ دوسری جو ہے وہ معلّقہ کی طرح لٹکی ہوئی بیچ میں رہ جائے۔ اب یہ جو مضمون ہے یہ رسول اللہ ﷺ پر تو صادق آ ہی نہیں سکتا، کبھی آپؐ نے ایسی حرکت نہیں کی، ایسی بات نہیں کی جس سے کسی ایک بیوی کو گویا معلقہ کر کے چھوڑ دیا گیا ہو۔ لیکن یہ آپ کی وساطت سے امت کو تلقین فرمائی جا رہی ہے۔ یعنی جب تم دو شادیاں کرو گے رسول اللہ ﷺ کی سنت سمجھتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے کہ ہم تو سنت پر عمل کر رہے ہیں، ہم تو دو شادیاں کریں گے۔ سوچنا چاہئے کہ دو شادیوں کے ساتھ کچھ شرطیں بھی ہیں جو عدل کی ہیں اور عدل کی شرطیں اتنی کڑی ہیں کہ ان میں محبت کے معاملہ میں بھی، پیار کے معاملہ میں بھی عدل کی تلقین ہے۔ تم ہوتے کون ہو کہ اتنے بڑے عدل کے دعوے کرتے ہو اس لئے اگر کچھ نہیں کر سکتے تو کم سے کم کسی اپنی بیوی کو معلقہ کی طرح نہ چھوڑو کہ لٹکی ہوئی رہ جائے اور کئی بزرگوں کی زندگی کے بھی ایسے واقعات ملتے ہیں کہ انہوں نے اپنی غفلت کی وجہ سے اپنی بیویوں کو معلقہ چھوڑ دیا اور نہ وہ ادھر کی رہیں نہ ادھر کی رہیں۔ نہ طلاق ہوئی کہ وہ آگے کسی سے شادی کر سکیں، نہ وہ طلاق چاہتی تھیں کہ آگے کسی سے شادی کریں۔ پس تم ایسے لوگ نہ بنو کہ پھر اگر محبت نہیں کر سکتے تو معلقہ کے طور پر چھوڑ دو ایسی صورت میں ایک ہی شادی کا حکم ہے۔ پھر لازماً ایک ہی شادی کرنی ہو گی۔ ہاں اگر تم اپنے معاشرہ کی اصلاح کر لو اور تقویٰ اختیار کرو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ تو پھر یقیناً اللہ کو ایسا پاؤ گے جو بہت بخشنے والا اور بار بار رحم فرمانے والا ہے۔

پھر سورۃ النساء کی آیت ۱۵۳۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ. وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا.﴾۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ اور وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کے سب رسولوں پر۔ ﴿وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ اور ان میں سے کسی کے درمیان بھی فرق نہیں کیا۔ اب یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کے رسولوں کے درمیان یہ فرق تو کسی طرح بھی جائز نہیں کہ ایک رسول کی بات مانیں اور دوسرے کی نہ مانیں۔ تمام رسولوں کی اطاعت اللہ کی وجہ سے ہوتی ہے اور ان کے درمیان یہ فرق ہرگز جائز نہیں کہ ایک رسول کی بات مان لو دوسرے کی نہ مانو۔ ہر رسول کی بات ماننی پڑے گی کیونکہ ہر رسول کا حکم اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔

فرمایا: ان کے درمیان فرق نہ کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ ضرور اجر عطا فرمائے گا مگر درجات میں جو فرق ہے یہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ جہاں تک بندے کا تعلق ہے بندہ کسی رسول کے درمیان وہ فرق نہیں کرتا جو اطاعت کا فرق ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے ہر رسول کی اطاعت کے اوپر نظر رکھتے ہوئے اس کے جذبۂ اطاعت کو سمجھتے ہوئے، اس کے اسلام کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے کہ کس طرح اس نے

اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے وہ رسولوں کے درمیان درجات کا فرق کرتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت رسول اللہ ﷺ تمام گزشتہ رسولوں سے درجات میں بڑھ کر تھے۔ حضرت ابراہیم تو پہلوں سے بڑھ کر تھے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ بعد میں آنے والوں سے بھی بڑھ کر تھے۔ پس یہ گہرا مضمون ہے جس کو یہاں تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر اتنا یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ درجات کا فرق ضرور رکھتا ہے۔ جو وہ کرتا ہے ہمیں کرنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ ہم سمجھ نہیں سکتے سوائے اس کے کہ اللہ نے ہم پر خود کھول دیا ہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کرتے ہیں اس لئے کہ اللہ نے بتایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی فضیلت کی بہت سی باتیں خدا نے بیان فرمائی ہیں اور بہت سی ایسی ہیں جو خدا نے تو بیان فرمائی ہیں مگر رسول اللہ کو بیان فرمائی ہیں۔ قرآن میں ہمیں ان کا تذکرہ نہیں ملتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے آگے بیان فرمائی ہیں۔ وہ اس لئے کہ وہ آپ کے پاس امانت تھی کہ لوگوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے اعلیٰ درجات کا علم ہو مگر اس میں بھی انکساری کی حد یہ ہے کہ آپؐ اپنا نام لے کر وہ باتیں بیان نہیں فرمایا کرتے تھے بلکہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کا ایک بندہ ایسا تھا جس نے یہ کچھ کیا، اللہ کا ایک رسول ایسا تھا جس نے یہ کچھ کیا اور وہ رسول آپؐ خود ہی ہوا کرتے تھے تو عمومی ذکر میں اپنے آپ کو داخل کر کے وہ جو دل میں ایک حجاب ہوتا تھا اس کی وجہ سے اپنی انکساری کی حفاظت فرمائی۔

پھر فرمایا ﴿أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ﴾ جو اللہ اور رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے ان کو اللہ تعالیٰ ضرور اجر دے گا۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ اور اللہ تعالیٰ بار بار بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔ یہاں اللہ اور رسول کے درمیان فرق نہ کرنا ایک بہت ہی گہرا بنیادی حکم ہے جو اہل کتاب کی کتابوں کی نفی کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہم کتاب کو تو مانتے ہیں جو اللہ کا حکم ہے اور رسول کی جو سنت اور رسول کی جو حدیثیں ہیں وہ ہم نہیں مانتے کیونکہ پتہ نہیں حالانکہ اس کا پتہ کرنا بہت آسان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی سنت اور حدیث میں اور قرآن کی آیات میں فرق ہے ہی کوئی نہیں، ہر سنت کی بنیاد قرآنی آیات میں ہے، ہر حدیث کی بنیاد جو سچی حدیث ہے قرآنی آیات میں ہے تو سر تسلیم خم کرتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کے درمیان فرق نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پس اہل کتاب نے تو یہ نیا عقیدہ گھڑ کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔

اب ایک حدیث میں آپ کے سامنے کھول کر رکھتا ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کیلئے اس کا عمل ہرگز نجات کا باعث نہیں بنے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپؐ کے لئے بھی نہیں؟۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں میرے لئے بھی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ اور رحمت سے ڈھانپنے کا مضمون ایسا ہے جس کے متعلق ایک ذرہ بھی شک نہیں کیونکہ آپ کو رحمۃ للعالمین قرار دیا تو ایسی رحمت سے ڈھانپا ہے جس نے تمام بنی نوع انسان پر سایہ کر دیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا فرمانا کہ مَیں بخشا جاؤں گا تو رحمت سے بخشا جاؤں گا۔ یہ مضمون اس حدیث کے حوالہ سے سمجھنے کے لائق ہے کہ رحمت سے ہی تو بخشے جائیں گے مگر اللہ نے آپ پر بہت رحمت فرمائی ہے اور اتنی رحمت فرمائی ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے اور بنی نوع انسان کے علاوہ حیوانوں کے لئے بھی آپ رحمت تھے۔

لیکن اس معاملہ میں یہ بات مَیں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کے باوجود عمل کو ایک دخل ہے اور عمل سے انسان مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ دے کہ اللہ کی رحمت ہے بخش دیا جاؤں گا یہ جھوٹ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی وساطت سے بھی بخشش کا خیال اگر آپؐ کی شفاعت کے اہل انسان نہ ہو، یہ خیال کرنا کہ مَیں بخش دیا جاؤں گا ہمارا ایک رسول ہے جو بہت رحمت کرنے والا ہے یہ ایک جھوٹا خیال ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے ساتھ تعلق کی بنیادی شرط وہی ہے ﴿إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ کہ اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو اور محض دعویٰ نہیں ہے تو جس نے واقعی محبت کی تھی اس کے پیچھے چلنا تمہارے لئے مشکل نہیں ہوگا۔ پس رسول کے پیچھے چل سکتے ہو تو پھر تمہارا دعویٰ سچا ہوگا۔ ﴿يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ اللہ ضرور پھر تم سے محبت فرمائے گا۔

چنانچہ آگے فرمایا: سیدھے راستے پر رہو اور اس کے قریب قریب رہو۔ صبح کے وقت بھی عبادت کرو اور شام کے وقت بھی اور کسی قدر سحر کے وقت بھی اور میانہ روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ اسی کے ذریعہ اپنی مراد کو پہنچو گے۔ (بخاری۔ کتاب الرّقاق)

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند اقتباس میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

”رحیمیت کے مفہوم میں نقصان کا تدارک کرنا لگا ہوا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر فضل نہ ہوتا تو نجات نہ ہوتی“۔ یہ وہی حدیث ہے جو ابھی آپ کو پڑھ کے سنائی گئی ہے۔ ”ایسا ہی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپؐ سے سوال کیا کہ یا حضرت! کیا آپ کا بھی یہی حال ہے۔ آپؐ نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: ہاں“۔ (الحکم۔ ۱۰/ستمبر ۱۹۰۱ء)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”رَحِیْم...... اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا تقاضا ہے کہ محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا بلکہ اُن پر ثمرات اور نتائج مترتب کرتا ہے۔ اگر انسان کو یہ یقین ہی نہ ہو کہ اس کی محنت اور کوشش کوئی پھل لاوے گی تو پھر وہ سُست اور نکما ہو جاوے گا۔ یہ صفت انسان کی اُمیدوں کو وسیع کرتی اور نیکیوں کے کرنے کی طرف جوش سے لے جاتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ رحیم قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ اُس وقت کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دعا، تضرع اور اعمال صالح کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضییع اعمال سے اُن کو محفوظ رکھتا ہے“۔

یعنی رحیمیت تقاضا کرتی ہے کہ اس سے کچھ مانگا جائے اور مانگنے کے لئے عمل ضروری ہے۔ ﴿وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ﴾ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو انسان کی دعائیں ہیں ان کو اس کا عمل صالح رفعت دیتا ہے۔ عمل صالح کی وجہ سے وہ دعائیں قبولیت کا درجہ پاتی ہیں اور آسمان کی بلندی تک پہنچتی ہیں۔ تو فرمایا اگر تم رحیمیت چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ تم اعمال صالحہ بجالاؤ اور بار بار اللہ کی طرف جھکتے رہو اور اس سے رحم کے طالب رہو۔ ایسی صورت میں جب تم سچے اعمال کے ذریعہ اپنی دعاؤں کی مدد کرو گے تو پھر اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قبول فرمائے گا۔

فرماتے ہیں: ”رحمانیت تو بالکل عام تھی لیکن رحیمیت خاص انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری مخلوق میں دعا، تضرع اور اعمال صالحہ کا ملکہ اور قوت نہیں، یہ انسان ہی کو ملا ہے“۔

اب دیکھیں جانور جتنے بھی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی رحمانیت سے تو استفادہ کر رہے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتے۔ کوئی دعاگو جانور اور غیر دعاگو جانور میں آپ جانوروں کو تقسیم نہیں کر سکتے کہ یہ شیر دعاگو تھا۔ یہ غیر دعاگو تھا۔ یہ بکری دعاگو تھی، یہ غیر دعاگو تھی۔ سب کے اوپر برابر رحمانیت ہے۔ پس فرمایا رحیمیت کا تقاضا ہے کہ انسان دعا بھی کرے اور تضرع بھی کرے اور اعمال صالحہ کا ملکہ بھی اس کو حاصل ہو۔ یہ قوت انسان ہی کو ملی ہے۔

”رحمانیت اور رحیمیت میں یہی فرق ہے کہ رحمانیت دعا کو نہیں چاہتی مگر رحیمیت دعا کو چاہتی ہے“۔ اب کائنات کے پیدا ہونے سے پہلے کسی نے مانگی تھی خدا سے یہ کائنات!؟۔ تو رحمانیت اس وقت بھی عمل پیرا تھی جبکہ کوئی چیز وجود میں آئی ہی نہیں تھی۔

”اور یہ انسان کے لئے ایک خلعت خاصہ ہے اور اگر انسان، انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے“۔ (الحکم ۲۴/مئی ۱۹۰۳ء)۔ اب یہ مضمون ہے رحمانیت کا اس کو لفظ جمادات نے پوری طرح کھول دیا کہ جمادات جو بے روح چیزیں ہیں مادہ ہے یہ بھی تو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے۔ اب مادہ کب اللہ سے مانگنے گیا تھا۔ تو ساری کائنات کو خدا نے اپنی رحمانیت سے پیدا فرمایا لیکن بخشنے کا جہاں تک تعلق ہے اور بار بار رحم کرنے کا تعلق ہے اس میں دعا کو ایک مقام حاصل ہے اور دعا ضروری ہے۔ میرا خیال ہے اب دو تین حوالے رہ گئے ہیں وہ پھر سہی۔

۞۞۞۞......۞۞۞......۞۞۞۞